 © rasailojaraid.com 

# رُوداد سفر

## جناب محمد عاصم صاحب از عمان

[ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی صحت، اور ان کے دورۂ مقاماتِ مقدسہ کے حالات جاننے کے لیے احباب کی طرف سے مسلسل استفسارات موصول ہوتے رہے ہیں۔ لیکن ہمارے پاس اس سے قبل بجز خیریت کی اطلاع کے کوئی زیادہ تفصیل نہیں پہنچی تھی۔ اب عمان سے ۴ رجنوری ۱۹۶۰ء کا لکھا ہوا محترم محمد عاصم صاحب کا ایک مکتوب موصول ہوا ہے جس میں انہوں نے کراچی سے عمان تک کے سفر کے مختصر حالات تحریر کیے ہیں یہ مکتوب درج ذیل کیا جا رہا ہے۔ ]

ہم دو ماہ کے بعد پرسوں بروز جمعہ عمان پہنچے ہیں۔ دو دن بحرین میں ٹھہرے، پھر ۸ دن ظہران میں پھر ۱۱ دن ریاض میں۔ بحرین سے ظہران ہم ہوائی جہاز پر اور ظہران سے ریاض ریل گاڑی سے پہنچے۔ ریاض سے پھر ہوائی جہاز پر جدہ پہنچے۔ وہاں دو تین دن ٹھہر کر مکہ معظمہ گئے اور وہاں تمام تاریخی آثار جو ممکن تھے، دیکھے۔ پھر پانچ روز مکہ معظمہ میں ٹھہر کر طائف گئے۔ ایک دن وہاں کے تاریخی آثار دیکھنے میں صرف کیا۔ پھر مکہ معظمہ واپس ہو کر دو روز ٹھہرے اور باقی ماندہ آثار دیکھے۔ اس طرح دو عمرے بھی نصیب ہو گئے۔ پھر مکہ سے جدہ واپس ہوئے۔ چار روز وہاں ٹھہر کر ۱۲ دسمبر کو مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوئے۔ راستہ میں دو تین گھنٹے بدر میں ٹھہر کر اس میدان کو دیکھا جہاں غزوۂ بدر پیش آیا تھا۔ اسی روز شام کو مدینہ منورہ پہنچے۔ مدینہ منورہ میں جتنے کچھ آثار کا پتہ چل سکا، پانچ چھ روز میں ان سب کا مشاہدہ بھی کر لیا اور تصویریں بھی لے لیں۔ مدینہ طیبہ سے ہم نے ۱۹ دسمبر کو ایک فورڈ ویگن سٹوریاق روزانہ پر حاصل کی اور ۴۱ دن کے طویل بری سفر پر روانہ ہوئے۔ راستے انتہائی دشوار گزار تھے۔ ریگستان، پہاڑ، چٹانیں اور پہاڑی ندی نالے بس یہی کچھ سارے راستے تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مدینہ سے تقریباً ۲۵۰ میل بالکل غیر آباد علاقے سے گزر کر ہم العُلا پہنچے، جو ایک بہت سرسبز و شاداب وادی ہے، اور ایسے پہاڑوں کے درمیان واقع ہے جو نیچے سے اوپر تک بالکل پھٹے ہوئے ہیں۔ کبھی ہم کو ایسی شکل کے پہاڑ دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ ان پہاڑوں کو دیکھتے ہی ایک نظر میں صاف محسوس ہو جاتا تھا کہ کسی شدید زلزلے نے ان کو کھیل کھیل کر دیا ہے۔ یہ قومِ ثمود کا علاقہ ہے اور اسی شکل کے پہاڑ ہم کو العُلا سے مسلسل عقبہ کے شمال میں ۵۰ میل کے فاصلے تک نظر آئے۔ گویا یہ زلزلہ زدہ پہاڑی سلسلہ پانچ چھ سو میل طویل ہے۔

العُلا ایک رات ٹھہر کر ہم مدائن صالح پہنچے، جس کا قدیم نام الحِجر آج بھی لوگوں میں معروف ہے اور قرآن مجید میں اس کا اسی نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں پہاڑوں میں کھدے ہوئے مکانات ہر طرف پائے جاتے ہیں۔ ہم نے چل پھر کر چند مکانات کو خود دیکھا اور ان کی تصویریں لیں۔ اس وقت وہاں پانچ سات گھروں سے زیادہ کی آبادی نہیں۔ ایک پرانا ترکی قلعہ منہدم شدہ موجود ہے اور اس کے اندر وہ کنواں آج تک پایا جاتا ہے جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیتی تھی۔ اب یہ کنواں بند ہے۔ مدائن صالح مدینہ طیبہ اور تبوک کے درمیان حجاز ریلوے کا سب سے بڑا اسٹیشن تھا۔ اس اسٹیشن کی سنگین عمارتیں اب تک جوں کی توں موجود ہیں۔ ایک ورک شاپ بھی ویران حالت میں پڑی ہے۔ ایک انجن اور کچھ گاڑیاں بھی خراب و خستہ حالت میں موجود ہیں۔ مدینہ سے مدائن صالح تک جس راستہ سے ہم گزرے یہ قریب قریب وہی راستہ ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام غزوۂ تبوک کے لیے تشریف لے گئے تھے۔

ایک رات ہم نے مدائنِ صالح کے ریلوے اسٹیشن کی عمارت میں گزاری۔ پھر وہاں سے خیبر کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہ راستہ جو ہم نے مدائنِ صالح سے خیبر کے لیے اختیار کیا، انتہائی دشوار گزار اور خطرناک تھا۔ بار بار ریت کے ٹیلوں پر سے گزرتے ہوئے ہماری گاڑی ریت میں پھنس جاتی تھی اور بمشکل نکلتی تھی سب سے زیادہ پُرخطر راستہ وہ تھا جو ایسی سنگین چٹانوں پر سے گزرتا تھا جہاں کسی قسم کے نشانات موجود نہ تھے۔ پورے راستہ میں کہیں پانی، آدمی، جانور کچھ نہیں ملا۔ تقریباً ۷۰ میل اس پرخطر راستہ پر چلنے کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعد ہم اس راستہ پر پہنچے جو تیما سے خیبر کو جاتا ہے۔ یہ بھی اگرچہ کچا اور دشوار گزار راستہ تھا، لیکن چونکہ اس پر بکثرت گاڑیاں چلتی ہیں اس لیے بھٹک جانے کا خطرہ نہ تھا۔ تقریباً ایک رات اور ایک دن کا سفر کرنے کے بعد ہم خیبر پہنچے۔ خیبر کے قریب پہنچتے ہی یکایک ہم نے اپنے آپ کو ایک سرسبز و شاداب علاقہ میں پایا۔ ہر طرف لاوے کی جلی ہوئی پہاڑیوں کے درمیان سرسبز و شاداب نخلستان ہیں جن میں پانی کے چشمے اور کنوئیں کثرت سے موجود ہیں۔ وہاں لوگوں نے بتایا کہ ان وادیوں میں تین سو کے قریب چشمے موجود ہیں۔ خیبر میں مَرحب کا قلعہ اب تک موجود ہے جس کو حضرت علی نے فتح کیا تھا۔ اب اس میں خیبر کا دارالامارۃ ہے۔ اس کی عمارت وقتاً فوقتاً مرمت و تجدید کے مرحلوں سے گزرتی رہی لیکن اب تک قریب قریب ان ہی بنیادوں پر موجود ہے جن پر حضورؐ کے زمانہ میں تھی۔ یہ قلعہ بہت بلند پہاڑی پر واقع ہے اور اس پہاڑی کے دامن میں وہ جگہ ایک مسجد کی شکل میں موجود ہے، جہاں حضرت علیؓ نے مرحب کو قتل کیا تھا۔ حِصنِ مرحب کے گردوپیش سات پہاڑیوں پر یہودیوں کے سات قلعے اور بھی تھے، لیکن اب ان کے نشانات بھی موجود نہیں ہیں۔ البتہ خیبر کے باشندے بتاتے ہیں کہ وہ قلعے جن کا ذکر سیرتِ پاک میں آتا ہے، کہاں کہاں واقع تھے۔ ہم نے ایک پہاڑی پر چڑھ کر ایک ویران قلعہ کے منہدم آثار دیکھے، جس کا نام اَلوَطیح تھا۔ خیبر میں وہ میدان بھی لوگوں نے بتایا جہاں لشکرِ اسلام اور یہودیوں کے درمیان جنگ ہوئی تھی اور وہ مقامات بھی بتائے جہاں شہداء دفن کیے گئے تھے۔ خیبر کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ عہدِ نبوی کے بہت سے غزوات کو آدمی اس وقت تک ٹھیک نہیں سمجھ سکتا جب تک جا کر ان کے مواقع کو بچشمِ خود نہ دیکھ لے۔ یہی رائے ہم نے تبوک کو دیکھ کر قائم کی۔

۲۴ دسمبر کو ہم خیبر سے تیما کے لیے روانہ ہوئے جو خیبر سے شمال میں تقریباً ۲۵۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس سے زیادہ سخت دشوار گزار راستہ ہم کو عرب میں دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اس کے بعض بعض حصوں میں گاڑی ۵-۶ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے زیادہ نہیں چل سکتی تھی، اور کہیں کہیں بیل گاڑی کی رفتار سے چلنا پڑتا تھا۔ ایک دن اور ایک رات چلنے کے بعد ہم تیما پہنچے۔ پورے راستہ میں کہیں کوئی آبادی نہ تھی۔ حتیٰ کہ مرے ہوئے اونٹوں کی جو لاشیں راستے میں پڑی ہوئی تھیں ان کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کھانے کے لیے گدھ تک موجود نہ تھے ۔ تیما پہنچتے ہی ہم کو یکا یک ایک شاداب نخلستان ملا یہاں ایک بہت بڑا کنواں ہے ، جس سے چار انجن چار چار انچ کے پائپوں سے ہر وقت پانی کھینچتے رہتے ہیں اور پانی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی ۔ بس اسی کنوئیں کی بدولت تیما کے نخلستان قائم ہیں ۔

تیما کسی زمانے میں بابل کے ایک بادشاہ کا گرمائی دارالحکومت تھا ۔ بعد میں یہاں یہودیوں کی بستی قائم ہوئی اور خیبر کی فتح کے بعد یہ مقام بھی فدک اور وادی القریٰ کے ساتھ ساتھ جنگ کے بغیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کے تابع ہو گیا ۔ یہاں چونکہ کوئی اسلامی آثار موجود نہ تھے اس لیے ہم دو گھنٹے ٹھہر کر ۲۵ ر دسمبر کی دوپہر کو تبوک کے لیے روانہ ہوئے اور ۲۶ ر کو مغرب کے وقت تبوک پہنچے ۔ یہ مقام تیما سے ۲۲۶ کیلو میٹر (۱۷۰ میل کے قریب) شمال مغرب میں واقع ہے ۔ راستہ میں ہم کو صرف ایک چھوٹا سا قریہ ملا ۔ باقی سارا راستہ ویسا ہی غیر آباد تھا ، جیسا مدینہ سے تیما تک ہم نے دیکھا ۔

تبوک ایک بلند اور نہایت وسیع سطح مرتفع پر واقع ہے ۔ یہاں پانی اس کثرت سے موجود ہے کہ مدینہ اور خیبر کے سوا ہمیں کہیں اتنا پانی دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا بلکہ حقیقتاً یہاں کا پانی ان دونوں جگہوں سے زیادہ ہے ۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معجزے کی برکت ہے ۔ جب حضور یہاں تشریف لائے تھے تو ایک چھوٹا سا چشمہ یہاں پایا جاتا تھا ، جس میں بہت کم پانی تھا ۔ حضور نے اپنا لعاب دہن جب اس میں ڈالا تو پانی بے تحاشا اُبل کر نکلنا شروع ہوا ۔ یہاں لوگوں نے ہمیں بتایا کہ یہ چشمہ دو سال پہلے تک مسلسل پورے چودہ سو سال اُبلتا رہا ۔ بعد میں جب نشیبی علاقوں میں ٹیوب ویل کھودے گئے تو اس چشمہ کا پانی ان ٹیوب ویلوں کی طرف روانہ ہو گیا ۔ تقریباً ۲۵ ٹیوب ویلز میں تقسیم ہونے کے بعد یہ چشمہ اب خشک ہو گیا ہے ۔ ہم نے ایک ٹیوب ویل کو جا کر دیکھا ، جس میں چار انچ کا پائپ لگا ہوا تھا اور بغیر کسی مشین کے اس میں سے پانی پورے زور کے ساتھ نکل رہا تھا ۔ قریب قریب یہی کیفیت دوسرے ٹیوب ویلز کی بھی ہے ۔ اس پانی سے فائدہ اٹھا کر اب تبوک میں ہر طرف باغات لگائے جا رہے ہیں ۔ سعودی حکومت نے اب تبوک کو اپنا بہت بڑا فوجی مرکز بنایا ہے اور یہ شہر نہایت تیزی سے ترقی کر رہا ہے ۔ ہر طرف پختہ اور جدید طرز کی عمارتیں بن رہی ہیں اور یہاں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بازاروں میں دنیا کی ہر چیز فراوانی کے ساتھ ملتی ہے۔ دو تین سال پہلے تک یہ ایک بہت چھوٹا سا قصبہ تھا جس کی آبادی دو ہزار سے بھی کم تھی لیکن اب یہ پچیس، تیس ہزار کی آبادی کا وسیع شہر ہے۔ یہاں وہ جگہ اب بھی پائی جاتی ہے جہاں لشکرِ اسلام ٹھہرا تھا۔ جس مقام پر حضورؐ نماز ادا فرمایا کرتے تھے وہاں ایک سنگین مسجد بنی ہوئی ہے جو ایک ترک فوجی افسر نے اپنے ذاتی خرچ پر بنائی تھی۔ مسجد کے قریب ہی ایک پرانا ترکی قلعہ ہے جو اب جیل کے طور پر استعمال ہو رہا ہے اور اس قلعہ سے متصل وہ چشمہ ایک احاطے کی شکل میں پایا جاتا ہے، جس کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے۔

تبوک میں ہم دو رات اور ایک دن ٹھہرے۔ ہماری موجودگی ہی میں یہاں بارش ہوئی اور سردی خوب تیز ہوگئی۔ ۲۸ دسمبر کو ہم تبوک سے مغایر شعیب کے لیے روانہ ہوئے، جو ۲۰۷ کیلومیٹر (۱۲۵ میل کے قریب)، کے فاصلہ پر مغرب کی جانب خلیج عقبہ کے ساحل سے متصل واقع ہے۔ ۲۹ دسمبر کی دوپہر کو ہم وہاں پہنچے۔ یہ راستہ بھی ویسا ہی ویران تھا جیسا ہم اس سے پہلے دیکھتے آئے تھے، اور بعض جگہ پہاڑوں کے درمیان سخت ریگستانی علاقوں سے ہمیں گزرنا پڑا۔ مغایر شعیب وہی جگہ ہے جس کا قدیم نام مَدْیَن تھا۔ یہ جگہ بھی سرسبز و شاداب ہے اور اس کے پہاڑوں میں اسی طرح کے مکانات پائے جاتے ہیں جیسے کہ مدائنِ صالح میں ہم نے دیکھے تھے۔ اس کے قریب دو بہت پرانے کنویں ایک دوسرے سے متصل واقع ہیں، جن کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ شاید ان ہی دونوں میں سے ایک کنواں وہ تھا جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک قبطی کو قتل کرنے کے بعد مصر سے پہنچے تھے۔ مغایر شعیب میں ہم نے دو تین گھنٹے گزارے اور جتنے آثار وہاں موجود تھے، ان کی تصویریں لے لیں۔ پھر ہم عقبہ کے لیے روانہ ہوگئے، جس کا فاصلہ مغایر شعیب سے ۱۱۰ کیلومیٹر ہے۔ عقبہ اردن کی مملکت میں واقع ہے، اور سعودی سرحد اس سے صرف دو کیلومیٹر کے فاصلہ پر ختم ہوتی ہے۔ یہ مقام خلیج عقبہ کے عین سرے پر واقع ہے۔ اس کے ایک طرف مغرب کی جانب یہودیوں کی بندرگاہ ایلات واقع ہے جسے انہوں نے ترقی دے کر بڑی عظیم الشان بندرگاہ بنالیا ہے اور اس سے صرف ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر مشرق کی طرف عقبہ ہے جسے اردن کی مملکت نے خاصی

© rasailojaraid.com

ترقی دے لی ہے۔ عقبہ سے جنوب کی جانب ۸۰۰ امیل کے فاصلہ پر سعودی مملکت کی چھوٹی سی بندرگاہ الحقل واقع ہے۔

عقبہ میں ہم بسہولت سرحد پار کر کے پہنچے اور دو تین گھنٹے وہاں ٹھہر کر معان روانہ ہوئے۔ اردن کی مملکت میں تارکول کی سڑکیں بہت عمدہ حال ہی میں بن گئی ہیں اور بن رہی ہیں۔ عقبہ سے ۱۲۱ کیلومیٹر کے فاصلہ پر معان کا چھوٹا سا شہر واقع ہے جہاں ہم ۳۰ ردسمبر کو عشاء کے وقت پہنچے، اور ایک رات وہاں گزار کر وادی موسیٰ کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ بہت ہی سرسبز و شاداب وادی ہے جو ایک چشمہ سے سیراب ہو رہی ہے۔ اس چشمہ کو عینِ موسیٰ کہتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے آخر زمانہ میں اس مقام پر آکر ٹھہرے تھے۔ یہیں حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال ہُوا تھا اور اسی وادی کے قریب ایک پہاڑ پر انہیں دفن کیا گیا تھا۔ توراۃ میں اس پہاڑ کا نام جبل ہور بیان ہُوا ہے اور اب اسے جبل ہارون کہتے ہیں۔ حضرت ہارون کا مزار بھی موجود ہے اور وہاں ایک مسجد بنی ہوئی ہے۔ وہاں تک پہنچنے کا راستہ بہت دشوار گزار ہے اس لیے ہم زیارت نہ کر سکے۔ البتہ ایک دوسرے پہاڑ پر چڑھ کر دُوربین سے ہم نے مزار کو دیکھا اور دُور ہی سے سیدنا ہارون علیہ السّلام کی روحِ پاک کو سلام پہنچا دیا۔ اسی وادی میں پیٹرا کا مشہور تاریخی مقام واقع ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دو سو سال قبل قبطیوں نے اپنا دارالسلطنت بنایا تھا۔ یہ ویران شہر ہندوستان کے ایلورا اور اجنٹا کی طرح پہاڑوں کے اندر تراش تراش کر بنایا گیا ہے اور بعض بعض عمارتیں نہایت شاندار بنی ہوئی ہیں، جنہیں دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ ابھی بن کر تیار ہوئی ہیں حالانکہ ان پر دو ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔

پیٹرا میں ایک دوپہر گزارنے کے بعد ہم کچے راستہ سے تقریباً ۱۰۰ امیل چل کر رات کے وقت الکرک پہنچے، جو ایک بلند پہاڑی پر واقع ہے۔ یہ راستہ جس سے ہم گزرے، قریب قریب وہی ہے جس سے غزوۂ موتہ کے موقع پر صحابہ کرام کی فوج گزری تھی۔ راستہ پر موتہ کے مقام پر سے ہم گزرے لیکن چونکہ رات ہو چکی تھی اور سخت سردی تھی، اس لیے ہم سیدھے الکرک چلے گئے اور رات وہاں

© rasailojaraid.com

گزاری۔ الکرک ایک بہت بلند پہاڑی پر واقع ہے اور یہاں صلیبیوں کا ایک پرانا قلعہ اب تک موجود ہے جسے صلاح الدین ایوبی نے فتح کیا تھا۔ صبح اٹھ کر ہم پہلے بحرِ مردار کے مشرقی ساحل پر اس جگہ پہنچے جسے اللسان کہتے ہیں۔ اسی کے قریب بحرِ مردار کا وہ حصہ واقع ہے جہاں خیال کیا جاتا ہے کہ قومِ لوط کے شہر غرق ہوئے ہیں۔ بحرِ مردار کے گرد و پیش پورے علاقہ میں صاف محسوس ہوتا ہے کہ کسی زبردست عذاب نے زمین کو جگہ جگہ سے شق کیا ہے اور جگہ جگہ زمین دھنس گئی ہے۔ اس جگہ کی تصویریں لینے کے بعد ہم موتہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ موتہ پہاڑی علاقہ میں ایک بہت بلند سطح مرتفع پر واقع ہے۔ یہاں ایک چھوٹا سا قصبہ اب تک موتہ ہی کے نام سے موجود ہے اور اس قصبہ سے متصل ایک وسیع میدان ہے جہاں رومیوں اور صحابہ کرام کے درمیان جنگ واقع ہوئی تھی۔ اسی میدان کے ایک حصّہ کا نام المشہد اربا مشہد ہے، جس کے متعلق قصبہ کے لوگ بتاتے ہیں کہ جنگ میں شہید ہونے والے بہت سے شہداء یہاں مدفون ہیں۔ موتہ سے دو تین میل کے فاصلہ پر ایک اور جگہ ہے جو المزار کے نام سے موسوم ہے۔ غزوۂ موتہ کے موقع پر صحابہ کرام کی لشکر گاہ یہی جگہ تھی۔ یہاں حضرت جعفر طیار، حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت زید بن حارثہ اور بہت سے دوسرے صحابہ کرام کی قبریں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ موتہ کے موقع پر جو بزرگ شہید ہوئے، ان میں سے جن جن کو اٹھا کر صحابہ کرام لا سکتے تھے، ان کو انہوں نے مقامِ جنگ سے پیچھے لے جا کر اپنے لشکر گاہ میں دفن کیا، اور باقی شہداء کو میدانِ جنگ ہی میں چھوڑ کر انہیں پسپا ہونا پڑا۔ حضرت جعفرؓ کے مزار پر اب ایک صاف ستھری اور عمدہ مسجد بنی ہوئی ہے اور تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر حضرت عبداللہ بن رواحہ اور زید بن حارثہ کے مقبرے بنے ہوئے ہیں۔ جس وقت ہم موتہ پہنچے اس وقت انتہائی شدید سردی تھی۔ ایک گھنٹہ وہاں ٹھہر کر ہم الکرک واپس ہوئے اور وہاں جمعہ کی نماز ادا کرنے کے بعد عمان کے لیے روانہ ہو گئے۔ الکرک میں رات سے بارش شروع ہو چکی تھی۔ دن بھر بھی بارش رہی۔ مغرب کے قریب جب ہم عمان پہنچے تو بارش بدستور ہو رہی تھی، اور سخت سردی تھی۔ یہاں عمان میں دو روز ٹھہرنے کے بعد اب کل ہم بیت المقدس کے لیے روانہ ہو رہے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



مدینہ کے بعد عمان تک ہمارے چودہ دن اسی گاڑی پر گزرے جو مدینہ سے ہم نے کرایہ پر لی تھی۔ پانچ راتیں ہم نے صحرا میں گزاریں۔ ایک رات تو بالکل ریت پر بستر بچھا کر آسمان کے نیچے سوئے۔ باقی راتیں چونکہ بہت سرد تھیں اس لیے موٹر کے اندر ہی اپنے سامان پر بستر بچھا کر سونا پڑا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس پورے سفر میں سعودی و اردنی حکام، امراء، علماء اور دوسرے لوگ ہمارے ساتھ جس محبت، اخلاص، اسلامی اخلاق اور مہمان نوازی سے پیش آئے، ہم لوگ اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتے اور اسے بیان کرنا کم از کم میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ سعودی حکام اور علماء کے نام شکریہ کے خطوط ہم نے عمان پہنچ کر بھی لکھے ہیں اور پاکستان پہنچ کر بھی لکھنے کا ارادہ ہے۔

ہم ظہران پہنچے تو اپنے ایک دوست کے ہاں ٹھہر گئے۔ تین چار دن کے بعد وہاں کے گورنر الامیر سعود بن جلوی کو ہمارے پہنچ جانے کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے فوراً اپنا آدمی ہمارے پاس بھیجا اور اس پر انتہائی افسوس ظاہر کیا کہ انہیں ہمارے پہنچنے کی خبر دیر سے ملی۔ اور اس کے بعد انہوں نے باصرار ہمیں وہاں کے ایک نہایت شاندار ہوٹل میں منتقل کیا اور رات کو اپنے ساتھ اپنے قصر میں کھانے پر بلایا۔

ظہران میں پاکستانی حضرات کی ایک اچھی خاصی تعداد رہتی ہے مولانا کا یکایک ظہران پہنچ جانا گویا ان لوگوں کے لیے عید تھا۔ ہماری قیام گاہ بھی ان حضرات میں سے ملنے والوں سے بھری رہتی تھی اور پھر انہوں نے تین چار دن لگاتار مختلف جگہ مولانا کی مجلس کا انتظام کیا، جس میں ڈیڑھ دو سو پاکستانی حضرات جمع ہو جاتے تھے اور مختلف موضوعات و مسائل پر مولانا سے سوالات کرتے اور مولانا ان کے جوابات دیتے تھے میرے خیال میں کوئی علمی موضوع ایسا نہیں رہا جو ان مجلسوں میں زیر بحث نہ آیا ہو اور اس کے متعلق ظہرانی پاکستانی حضرات کے ذہن صاف نہ ہو گئے ہوں۔ ان مجلسوں کی تمام گفتگوئیں ریکارڈ بھی کر لی گئیں۔ ریاض میں ہمارا ارادہ صرف دو تین دن ٹھہرنے کا تھا، لیکن وہاں امراء اور شیوخ کی دعوتوں اور ملاقاتوں نے ہمیں ۱۱ دن تک روکے رکھا۔ شاہ سعود ان دنوں اتفاق سے ریاض میں موجود نہ تھے، دمام گئے ہوئے تھے لیکن شیخ عبدالعزیز بن باز نے جب بطور خود شاہ کو مولانا کی آمد اور مقصد سفر سے مطلع کیا تو شاہ نے مولانا کے نام ملک میں خوش آمدید کا تار بھیجا اور مقصد میں کامیابی کی دعا کے ساتھ تین ہزار ریال بھی بھجوائے



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


شاہ سعود کے چچا امیر عبداللہ بن عبدالرحمن (جو اس وقت آلِ سعود کے سب سے بڑے بزرگ ہیں) نے دو مرتبہ ہمیں کھانے پر بلایا۔ ایک مرتبہ اپنے ریاض والے قصر میں اور دوسری مرتبہ درعیا والے قصر میں۔ شاہ سعود کے دوسرے چچا امیر مساعد بن عبدالرحمن (جو ان دنوں امیر فیصل کی عدم موجودگی میں وزیر اعظم کے فرائض ادا کر رہے ہیں) نے ہمارے متعلق ہر جگہ تار بھجوا دیئے کہ ہم لوگ جہاں جہاں سے گزریں وہاں کے امراء ہمیں ہر طرح کی سہولتیں اور آسانیاں بہم پہنچائیں۔ ہم نے بعد کے سفر میں دیکھا کہ کوئی چھوٹی سی چھوٹی جگہ بھی ایسی نہ بچی ہوگی، جہاں ہمارے متعلق امیر مساعد اور ان کے حسب حکم وزارت داخلیہ کے تار نہ پہنچ چکے ہوں۔ علماء میں سے مفتی اکبر شیخ محمد بن ابراہیم، ہیئۃ الامر بالمعروف والنہی عن المنکر کے انچارج شیخ عمر بن حسن، اسلامی کالجوں اور معاہد کے نگران شیخ عبداللطیف بن ابراہیم، شیخ عبدالعزیز بن باز اور دوسرے بہت سے علماء نے مہمان نوازی اور اسلامی اخوت کا حق ادا کر دیا۔ دوپہر یا رات میں کھانے کا کوئی وقت ایسا نہ ہوگا جس میں ہم لوگ ان حضرات میں سے کسی نہ کسی کے ہاں مدعو نہ ہوں۔ بلکہ ہمیں تو مشکل سے صبح یا شام اپنے ہوٹل میں ناشتہ کرنے کا اتفاق ہوتا تھا۔ مفتی اکبر شیخ محمد بن ابراہیم نے ہمارے روانہ ہونے سے پہلے مولانا کی خدمت میں ان تمام کتابوں کا ایک مجموعہ بھی پیش کیا، جو حدیث، فقہ اور دوسرے اسلامی موضوعات کے متعلق سعودی امراء یا ہیئۃ الامر بالمعروف کے مصارف پر چھپی تھیں۔

ریاض سے جس وقت ہم بذریعہ ہوائی جہاز جدہ کے لیے روانہ ہو رہے تھے، اسی وقت جدہ سے ہمارے پاکستانی سفیر چودھری علی اکبر صاحب کا ہمارے نام ٹیلیفون آیا اور انہوں نے اس میں اصرار کیا کہ جدہ میں ہم ان ہی کے مہمان ہوں۔ انہوں نے یہ دعوت جس محبت، اخلاص اور اصرار کے ساتھ دی اس کی بنا پر ہمارے لیے اس دعوت کو رد کرنا مشکل تھا۔ چنانچہ جس وقت ہم جدہ کے ہوائی اڈہ پر پہنچے تو چودھری صاحب ہمیں لینے کے لیے موجود تھے۔ جدہ میں دونوں مرتبہ ہم چودھری صاحب ہی کے مہمان رہے۔ ہمیں یہ دیکھ کر انتہائی خوشی ہوئی کہ جدہ میں چودھری علی اکبر صاحب نہ صرف، پاکستانی حضرات کے مابین بلکہ عرب حلقوں میں انتہائی مقبول ہیں۔ پاکستان کے متعلق غلط فہمیاں دور کرنے کا کام جس طرح چودھری علی اکبر صاحب کر رہے ہیں۔۔۔۔ اگر اسی طرح پاکستان کے دوسرے سفراء بھی کریں، تو ہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمجھتے ہیں کہ کم از کم عرب دنیا میں چند سال کے اندر اندر پاکستان کے متعلق تمام غلط فہمیاں دُور ہو سکتی ہیں۔

جدہ کے قیام کے دوران وہاں کے ریڈیو کا نمائندہ بھی ایک روز مولانا کے پاس آیا اور اس نے نشر کرنے کے لیے مولانا سے ۱۵ منٹ کا ایک انٹرویو لیا جسے اگلے روز ان لوگوں نے اُردو اور عربی دونوں زبانوں میں نشر کیا۔

جدہ میں وہاں مشہور رئیس اور عالم شیخ محمد بن نصیف نے مولانا کا انتہائی محبت اور گرمجوشی کے ساتھ استقبال کیا۔ اپنی کمزوری اور بڑھاپے کے باوجود دو مرتبہ چودھری علی اکبر صاحب کی کوٹھی پر مولانا سے ملاقات کے لیے آئے۔ ایک دن مولانا کے اعزاز میں کھانے کی دعوت کا اہتمام کیا، جس میں نہ صرف جدہ بلکہ مکہ معظمہ کے بھی تمام نمایاں حضرات موجود تھے۔ اسلامی کتابوں کا ایک اچھا خاصہ مجموعہ بطور ہدیہ مولانا کی خدمت میں پیش کیا۔

مدینہ منورہ کے امیر عبداللہ آل السدیری نے ہمارے لیے سفر کے سلسلے میں جو آسانیاں بہم پہنچائیں حقیقت یہ ہے کہ ہمارے لیے ان کا شکریہ ادا کرنا مشکل ہے۔ اگر یہ آسانیاں نہ ہوتیں تو ہمارے لیے مدینہ سے عمان تک کا سفر کرنا یقیناً ناممکن ہوتا۔ اس کا اندازہ ہمیں پہلے سے بھی تھا اور جب ہم نے ان راستوں کو دیکھا تب تو ہمیں یقین آ گیا۔ انہوں نے ہمارے لیے معقول کرایہ پر ایک ایسی موٹر کا انتظام کر دیا، جو ان راستوں میں سفر کر سکتی تھی۔ یہ امیر عبداللہ السدیری ہی کا ڈر تھا کہ پورے راستہ میں ڈرائیور نے کسی جگہ ہمیں پریشان نہیں کیا اور کسی ایک جگہ بھی اس کی موٹر خراب نہیں ہوئی۔ مدینہ کے انسپکٹر جنرل حسن شیبہ نے موٹر کے انتظام میں خاص طور پر دلچسپی لی۔ امیر مدینہ نے ہمارے ساتھ خنجر اور بندوق سے مسلح ایک آدمی بھی کر دیا جو راستوں سے بھی خوب واقف تھا۔ یہ شخص تبوک تک ہمارے ساتھ رہا۔ تبوک کے امیر نے اس کی جگہ ہمیں ایک دوسرا آدمی دیا جو اگلے راستوں سے واقف تھا اور وہ ہمارے ساتھ عمان تک آیا۔

العُلا، خیبر، تبوک، مغایرِ شعیب اور الحقل کے امراء نے انتہائی محبت، اخلاص اور اسلامی اخلاق و اخوت کے ساتھ ہمارا استقبال کیا اور جس قسم کی آسانیاں وہ ہمیں بہم پہنچا سکتے تھے اس میں انہوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


کمی نہ کی۔ یقیناً ان حضرات کی مہمان نوازی کو دیکھ کر ہمیں عرب کی روایاتی مہمان نوازی یاد آتی رہی اور ہمیں یہ احساس ہوا کہ عرب ملکوں میں تو مبتِ اور دوسرے جو بھی فتنے آئے ہیں، وہ صرف بڑے شہروں کی حد تک ہیں، وہاں چھوٹے شہروں اور دیہات میں عربوں میں اس قسم کا کوئی فتنہ نہیں پایا جاتا اور وہ اپنی اصل اسلامی اخوت وفطرت پر قائم ہیں۔

سعودی مملکت میں جو سہولتیں ہمیں حاصل ہوئیں ان میں بہت بڑا دخل اس بات کا بھی تھا کہ سعودی مملکت کے سفیر متعینہ پاکستان محمد احمد الشبیلی نے پہلے ہی اپنی حکومت کو ہماری آمد کے متعلق خصوصیت کے ساتھ لکھ دیا تھا۔ اس عنایت کے لیے ہم ان کے بہت ہی شکر گزار ہیں۔

سعودی اور اردنی مملکت کے درمیان سرحد پر ہمیں کسی بھی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ دونوں طرف کے کسٹم آفیسرز نے انتہائی شرافت اور احترام کے ساتھ سلوک کیا۔ عقبہ کے کسٹم آفیسر دو میل آگے تک تین چار کاروں کے ساتھ مولانا کے استقبال کے لیے پہنچے۔

عقبہ میں جن لوگوں نے مولانا کی کتابیں پڑھی ہوئی تھیں انہیں چند دن پہلے سے ہمارے عقبہ آنے کا پتہ چل گیا تھا۔ اور وہ شدت سے ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے امیر حقل کو کہلا بھیجا تھا کہ جونہی ہم لوگ حقل پہنچیں وہ انہیں فوراً اطلاع دے دیں۔ جب ہم لوگ عقبہ پہنچے تو ان لوگوں نے فوراً ہمیں اپنی گرفت اور حراست میں لے لیا۔ اصرار کیا کہ کم از کم ایک روز ہم لوگ عقبہ میں قیام کریں لیکن جب ہم نے ان کے سامنے عذر پیش کیا تو انہوں نے اسے قبول کر لیا، لیکن اس کے باوجود تین چار گھنٹے ہمیں اپنے پاس روکے رکھا۔

اس کے بعد ہم عقبہ سے معان روانہ ہوئے تو عقبہ والوں نے بذریعہ ٹیلیفون معان والوں کو ہمارے روانہ ہو جانے کے متعلق اطلاع دی۔ معان والوں نے کئی میل باہر نکل کر ہمارا استقبال کیا۔ اس کے بعد الطفیلہ، المزار وغیرہ میں بھی اسی طرح کا استقبال ہوتا رہا۔ اور کسی جگہ بھی ان لوگوں نے ہمیں اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک ہمیں موٹر سے اتار کر پندرہ بیس منٹ تک بٹھا کر چائے وغیرہ سے تواضع نہ کر لی۔ ان استقبال کرنے والوں میں ان مقامات کے ڈپٹی کمشنر، قاضی، علماء، تجار اور دوسرے معزز

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شہری سب ہی ہونے تھے۔

ہم پرسوں عمان پہنچے تو کل ہی عمان ریڈیو کا نمائندہ آیا اور مولانا سے انٹرویو لے گیا جسے آج انہوں نے ریڈیو سے بھی نشر کیا اور اخبارات کو بھی دیا۔ آج شاہ حسین نے مولانا کو اپنی ملاقات کے لیے بلایا۔ ملاقات مختصر رہی۔ اس میں شاہ نے پاکستان اور اسلام کے متعلق اپنے قلبی اور انتہائی گہرے جذبات کا اظہار کیا۔ اب ہم لوگ ان ہی کی مہمانی میں ہیں۔ مولانا نے شاہ کو اپنی کتابوں کا ایک سیٹ بھی پیش کیا۔

باقی سب خیریت ہے۔ الحمدللہ مولانا کی صحت بالکل ٹھیک ہے۔ مجھے تو جدہ میں دو تین دن تک بخار بھی آگیا تھا۔ اسی طرح چودھری غلام محمد صاحب کو بھی ریاض میں نزلہ نے پکڑ لیا تھا، لیکن بحمداللہ مولانا کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ دعا فرمائیں کہ باقی سفر بھی بخیریت پورا ہو جائے۔ چودھری صاحب بھی بحمداللہ خیریت سے ہیں۔ اب تو وہ بڑے فوٹو گرافر ہو گئے ہیں۔ ہمیں ان کے متعلق بار بار لوگوں پر واضح کرنا پڑتا ہے کہ چودھری صاحب اصل میں فوٹو گرافر نہیں بلکہ صرف اس سفر کے لیے انہوں نے خاص طور پر فوٹو گرافی سیکھی ہے۔

ہم لوگوں کی طرف سے نہ صرف لاہور بلکہ پورے پاکستان کے احباب اور جاننے والے حضرات سلام قبول کریں اور دعاؤں میں یاد رکھیں۔

---

© rasailojaraid.com